صوبہ سرحد میں آئینی و سیاسی ارتقاء کا تجزیاتی مطالعہ (۱۹۰۰ء۔۱۹۴۷ء)

سید آصف علی رضوی

برطانوی ہند کے گیارہ صوبوں میں صوبہ سرحد کی تاریخ تمام صوبوں سے مختلف رہی ہے کیونکہ یہاں انگریزوں کے خلاف سب سے زیادہ مزاحمت کی گئی

علامہ عنایت اللہ المشرقی (۱۸۸۸ء۔۱۹۶۳ء) نے کہا تھا کہ اگر جدوجہد آزادی کے ضمن میں برصغیر کے تمام صوبوں کے لوگوں کی قربانیوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی قربانیوں کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً صوبہ سرحد کے مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہے گا۔[۱]

اسی صوبہ کو سب سے طویل عرصہ تک ہر قسم کی آئینی اصلاحات سے محروم رکھا گیا۔ اہالیان صوبہ کا اسلام سے لگاؤ، تحریک مجاہدین (۱۸۲۳ء) تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریک ہجرت میں شاندار اور تاریخ ساز کردار کے باوجود اسی صوبہ میں ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس (۱۸۸۵ء) کو مسلم لیگ کے مقابلے میں واضح اکثریت ملی اور کانگریس کی وزارتیں بھی قائم ہوئیں۔ لیکن اسی صوبے میں مسلم لیگ نے ۱۹۴۷ء میں کامیابی کے ساتھ سول نافرمانی کی تحریک چلا کر پختونستان کے مسئلے پر اپنی دیرینہ حریف کانگریس کو شکست فاش دی۔

وہ عوامل کیا تھے جنکی بناء پر کانگریس اپنی تمام تر مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کے باوجود صوبہ سرحد کے مسلم اکثریتی صوبے میں اپنی بالادستی قائم رکھنے میں کامیاب رہی؟ وہ کیا اسباب تھے جنکی بناء پر مسلم لیگ اس علاقے کے لوگوں تک جو اسلام کے بارے میں یقین محکم رکھتے تھے۔ اپنا پیغام نہ پہنچا سکی اور بعد ازاں ۱۹۴۶ء میں واضح شکست کے باوجود کانگریس کا سحر توڑنے میں کیونکر کامیاب ہو گئی؟ درج ذیل مقالہ میں انہی سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔

۱۸۱۹ء میں بارکزئی حکمرانوں[۲] میں سے سردار یار محمد خان نے اپنے بھائیوں کا مقابلہ کرنیکے لئے پنجاب کے سکھ حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۷۰ء - ۱۸۳۹ء) سے مدد کی درخواست کی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی افواج بھیج کر ۱۸۲۰ء میں پشاور کا پنجاب سے الحاق کر لیا۔ اسطرح صوبہ سرحد میں سکھ راج کا آغاز ہوا لیکن ۲۶ سال بعد یعنی ۲۹ مارچ ۱۸۴۶ء میں صوبہ سرحد پر انگریز قابض ہوگئے[۳]۔ مئی ۱۸۷۹ء میں عہدنامہ گندمک ہوا جسکی رو سے درہ خیبر، بولان، وادی کرم نیز بلوچستان کے اضلاع سبی اور پشین انگریز کے زیر تصرف آگئے[۴]۔ ۱۸۹۴ء میں سرحد اور افغانستان کے درمیان حد فاصل ڈیورنڈ لائن کو افغانستان نے تسلیم کر لیا۔

انگریز کو اقتدار کی اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایک کٹھن جدوجہد سے گزرنا پڑا[۵] اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ جب وہ ایک لاکھ کے لگ بھگ فوجیں اور سینکڑوں توپیں بھیج کر بھی اہل سرحد کی روح آزادی کو کچلنے میں ناکام رہے تو پھر آخر وہ کونسا اقدام ہوگا جسکے تحت سرحدی اور قبائلی علاقوں کو مکمل طور پر زیر نگیں لایا جاسکے[۶]۔ اس وقت سرحدی پالیسی کے ضمن میں برطانوی پالیسی سازوں میں دو نقطہ نگاہ پائے جاتے تھے۔ ایک گروہ کا انداز فکر یہ تھا کہ فرنگی حکومت کو پشاور سے قدم آگے نہیں بڑھانا چاہیئے اور قبائلی معاملات سے لاتعلق رہنا چاہیئے جبکہ دوسرا گروہ ہر قیمت پر آگے بڑھنے اور ڈیورنڈ لائن تک کے سارے علاقے کو براہ راست اپنے زیر انتظام لانیکا حامی تھا۔ حکومت برطانیہ اس ضمن میں ابھی کسی نتیجہ تک نہ پہنچی تھی کہ ہندوستان میں لارڈ کرزن (۱۸۹۹ء - ۱۹۲۵ء) نئے وائسرائے بن کر آئے۔ نیا وائسرائے امور خارجہ اور امور ہند کا ماہر اور پرجوش و جرات مند حاکم تھا۔ معاملات کو نمٹانے اور فیصلے کرنے میں وہ تیزی و سرعت کا قائل تھا۔ صوبہ سرحد کے ضمن میں نہ تو وہ پشاور تک محدود رہنے کا حامی تھا اور نہ ہی غیر مشروط فارورڈ پالیسی کا قائل تھا۔ وہ کوئی درمیانی راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ کافی سوچ و بچار کے بعد بزعم خود اس نے اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ[۷]

i. سرحدی قبائل کے خلاف تادیبی مہموں کا سلسلہ ختم کرکے فوجوں کو قبائلی علاقوں سے نکال لیا جائے اور انکی جگہ سرحدی فوجی چوکیوں، قلعوں، سڑکوں اور ریلوے لائن کی حفاظت کے لئے ملیشیا کے سپاہیوں کو متعین کیا جائے۔

ii. پانچ سرحدی اضلاع اور پانچ قبائلی ایجنسیوں کو صوبہ پنجاب سے علیحدہ کر کے ایک علیحدہ صوبہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کے نام سے قائم کیا جائے۔

iii. اس نئے صوبے کو ایک چیف کمشنر کی تحویل میں دیا جائے جو باقاعدہ اضلاع میں سول حکومت چلائے جبکہ قبائلی علاقوں کے لئے وہ وائسرائے یا مرکزی حکومت کے ایجنٹ کے طور پر کام کرے۔

IV. چترال، مالاکنڈ ڈویژن اور چند دوسرے مقامات پر باقاعدہ افواج بدستور متعین رہیں۔

کئی حلقوں نے اس نئے صوبے کے قیام کو بہت ناپسند کیا پنجاب کے لیفٹننٹ گورنر ولیم میک ورتھ ینگ (William Macworth Young) (1840-1924) نے بھی نئے صوبے کی تشکیل پر پرزور احتجاج کیا۔[۷-الف] وزیر ہند لارڈ مارلے جون (۱۸۳۸ء۔ ۱۹۲۳ء) نے بھی اسکو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جہاں تک ہندوستانیوں کا تعلق تھا تو ہندوؤں نے بڑے واضح اور بھرپور انداز میں اسکی مخالفت کی جسکی وجہ صرف یہ تھی کہ پنجاب کے ساتھ رہنے کی صورت میں انہیں کوئی ۴۵ حقوق حاصل تھے جبکہ علیحدہ صوبہ بن جانیکی صورت میں انکی آبادی چار پانچ فیصد سے زیادہ نہیں رہتی تھی[۸]۔

تاہم لارڈ کرزن ہر مخالفت کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹا رہا اور بالاخر ۹ نومبر ۱۹۰۱ء[۹] کو وہ نیا صوبہ معرض وجود میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ نیا صوبہ پنجاب کی نسبت رقبہ میں ۱۴/۱ آمدن میں ۱۵/۱ اور آبادی میں ۱۸/۱ تھا۔ پشاور، ہزارہ، کوہاٹ، بنوں اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے باقاعدہ اضلاع اور مالاکنڈ (بشمول سوات، دیر، چترال) خیبر، کرم، شمالی اور جنوبی وزیرستان کی پولیٹیکل ایجنسیاں اس میں شامل تھیں۔

اس نوزائیدہ صوبہ کے نظام کے لئے ایک چیف کمشنر لیفٹننٹ کرنل ہیرلڈ ڈین (LT. Col. Herold Deane) کا تقرر عمل میں آیا۔ اسکی معاونت کے لئے ایک جوڈیشنل کمشنر، ایک ریونیو کمشنر اور ایک انسپکٹر جنرل کے تقرر کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ ہر ضلع میں ایک ڈپٹی کمشنر اور اسکی معاونت کے لئے اسسٹنٹ کمشنروں کو بھیجا گیا۔ کیونکہ سرکاری اضلاع میں نظم و نسق کا طریقہ کچھ اور تھا اور قبائلی ایجنسیوں کا طریق کار کچھ اور۔ اس لئے قبائلی علاقوں کے لئے علیحدہ انتظامی ڈھانچہ ترتیب دیا گیا۔ ان علاقوں کے سربراہ پولیٹیکل ایجنٹ کہلائے۔ مالاکنڈ ایجنسی میں

کیونکہ تین بڑی سرحدی ریاستیں شامل تھیں اس لئے اسکا نظم ونسق براہ راست ملک کی مرکزی حکومت کی تحویل میں رہا ۔ نئے صوبہ کے قیام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ صوبہ سرحد کے تمام انتظامی امور اور مسائل پشاور ہی میں طے کئے جانے لگے ۔ اس طرح لاہور، شملہ اور دہلی کی محتاجی ختم ہو گئی نیز یہ کہ جب مقامی صاحب الرائے افراد کو صوبائی نظم ونسق میں شمولیت کا موقعہ ملا تو نہ صرف یہ کہ حکومت اور معاشرے کی خلاق اقلیت میں خوشگوار تعلقات کار پیدا ہوئے بلکہ وہ زیادہ تندہی، توجہ اور لگن سے علاقے کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لینے لگے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبہ ترقی پذیر ہوا نہریں، سڑکیں، ہسپتال اور مدرسے سب اسی ترقی کا مظہر ہیں [10] ۔ لیکن انتظامی سطح پر اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ ۱۹۰۱ء کے بعد منٹو مارلے سکیم (۱۹۰۹ء) اور مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم (۱۹۱۹ء) کی مراعات سے نہ صرف یہاں کے لوگ محروم کر دیئے گئے بلکہ یہاں خاص قوانین مثلاً غازی ایکٹ [11] اور قوانین جرائم سرحد [12] جاری کئے گئے ۔ ساتھ ہی جرگہ سسٹم [13] کا اجراء ہوا ۔ صوبہ سرحد کے ان جابرانہ قوانین کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح (۱۸۷۶ء ۔ ۱۹۴۸ء) نے مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ناقابل فہم زمانہ جاہلیت کے اصول حکومت کا اعادہ ہو رہا ہے حکومت سرحد نے دفتری جبر و تشدد کی اس پالیسی کو مستقل جاری رکھا ہوا ہے حالانکہ بار بار اسکی اس پالیسی کی نشاندہی کی جا چکی ہے اور اسکی مذمت بھی کی جا چکی ہے [14] ۔

بیسویں صدی کا آغاز صوبہ سرحد میں ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوا ۔ ایک طرف سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء ۔ ۱۸۹۸ء) کی تحریک علی گڑھ نے قومی شعور کو بیدار کر دیا دوسری طرف صوبہ سرحد کے بڑے بڑے شہروں میں بہت سے تعلیمی ادارے قائم ہو گئے تھے ۔ ان میں چند ایک تو گورنمنٹ اسکول تھے لیکن اکثریت مختلف ایجنسیوں کے تحت چلنے والے اداروں کی تھی [15] ۔ اسی اثناء میں چند واقعات ملک گیر سطح پر [16] اور چند واقعات عالمی سطح پر [17] ایسے رونما ہوئے کہ صوبہ سرحد کے مسلم نوجوانوں نے اپنے آپ کو سیاسی طور پر منظم کرنیکا فیصلہ کر لیا ۔

۱۹۱۲ء میں صوبے کے دارالحکومت پشاور میں قاضی امیر احمد کے چیمبر میں پڑھے لکھے مسلم نوجوانوں کا ایک اجتماع ہوا اور اس میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی چنانچہ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ میاں عبدالعزیز بارایٹ لاء اس تنظیم کے صدر، قاضی عبدالولی خاں نائب صدر، سید علی

عباس بخاری جنرل سیکرٹری، قاضی امیر احمد جوائنٹ سیکرٹری اور محمد امین خزانچی کے فرائض[۱۸] انجام دینگے۔ سیاسی سرگرمیاں یہیں تک محدود نہ تھیں۔ مئی ۱۹۱۳ء میں پشاور میں خدام کعبہ[۱۹] کی بنیاد رکھی گئی اس طرح تحریک ریشمی رومال[۲۰] میں بھی سرحد نے ایک مرکزی کردار ادا کیا۔ حصول آزادی کی یہ تڑپ اس وقت بھی نظر آئی جب پورے ملک کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اہالیان صوبہ نے رولٹ ایکٹ[۲۱] (۱۹۱۸ء) کے خلاف جدوجہد کی۔ ترکوں کی حمایت میں دامے، درمے، قدمے اور سخنے حصہ لینا تو صوبہ سرحد کے باسیوں کا جزو ایمان تھا۔

صوبائی لیگ کی تشکیل اس لحاظ سے بھی ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوئی کہ سرحد کے لیگی رہنماؤں نے مرکزی لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ دسمبر ۱۹۱۳ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس آگرہ میں ہوا تو میاں عبدالعزیز اور سید علی عباس بخاری (صدر و جنرل سیکرٹری) نے سرحد لیگ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس میں شرکت کی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۵ء کو بمبئی میں لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائداعظم نے یہ تجویز پیش کی کہ سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ تیار کرے۔ کمیٹی بنی تو میاں عبدالعزیز بیرسٹر کو اس میں بطور نمائندہ سرحد لیا گیا[۲۲]۔ لیگ کی طرف سے صوبہ سرحد کو مراعات دلانے کا یہ نقطہ آغاز تھا۔

۳۱ دسمبر ۱۹۱۶ء کو لیگ کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ہند میں بسنے والی تمام ملت اسلامیہ کے آئینی سیاسی[۲۳] ودیگر تمام حقوق کا تحفظ کیا جائیگا اس فیصلہ کا اطلاق بدرجہ اولیٰ صوبہ سرحد پر ہوتا تھا کیونکہ یہاں خصوصی حالات کا سہارا لیکر وہ تمام مراعات ختم کر دی گئی تھیں جن سے برطانوی ہند کے دیگر صوبے مستفید ہو رہے تھے۔

ستمبر ۱۹۲۱ء میں سرسیوا سیوامی ائیر (Sir Sivaswami Aiyer) (۱۸۶۴ء۔۱۹۴۶ء) نے مرکزی قانون ساز اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی کہ صوبہ کا نظام عدلیہ صوبہ پنجاب کے ماتحت کر دیا جائے نیز ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس امر کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرے کہ جن مقاصد کے حصول کے لئے یہ صوبہ وجود میں لایا گیا تھا کیا وہ پورے ہو گئے ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں نہ دوبارہ اسے پنجاب میں ضم کر دیا جائے۔ قرارداد منظور ہو گئی اور ایک کمیٹی

سرڈینس برے (Sir Deyns Bray) فارن سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کی سربراہی میں تشکیل دی گئی جس کے مسلم و انگریز ممبران[۲۴] نے صوبے میں اصلاحات کی سفارش کی۔[۲۵] ۳۱ دسمبر ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں میاں عبدالعزیز نے مطالبہ کیا کہ برے کمیٹی کی سفارشات پر بلاتامل عمل کیا جائے۔ برے کمیٹی کی سفارشات سے کماحقہ مستفید ہونے کے لئے فیصلہ کیا گیا کہ اس جدوجہد کے لئے مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ایوان کو استعمال کیا جائے چنانچہ اسمبلی کے اجلاس کے دوران ۱۶ فروری ۱۹۲۶ء کو سید مرتضیٰ بہادر[۲۶] نے ایوان میں یہ قرارداد پیش کی۔

> اسمبلی گورنر جنرل ان کونسل سے سفارش کرتی ہے کہ دستور ہند کی ان دفعات کو جنکا تعلق قانون ساز کونسلوں اور وزراء کے تقرر سے ہے صوبہ سرحد میں بھی نافذ کرے اور وہاں بھی ۱۹۱۹ء کی اصلاحات بلاتوقف نافذ کیجائیں[۲۷]۔

اس قرارداد کی حمایت قائداعظم محمد علی جناح، صاحبزادہ سرعبدالقیوم (۱۸۶۳ء - ۱۹۳۷ء) مولوی عبدالحی بہادر (۱۸۸۹ء - ۱۹۳۶ء) مولوی غلام باری اور راجہ غضنفر علی خان (۱۸۹۵ء - ۱۹۶۵ء) نے کی جبکہ پنڈت مالویہ، سری ہری سنگھ غور اور دیگر ہندو ممبران نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ سرکاری بلاک اس مسئلہ پر مکمل غیر جانبدار رہا سید مرتضیٰ کی اس قرارداد پر اگرچہ عمل تو نہ ہوسکا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ اسکے بعد اصلاحات کے نفاذ تک مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں اور قائداعظم کی آئینی معاملات پر تقریباً ہر تقریر میں اس مطالبہ کا اعادہ کیا جاتا رہا[۲۸]۔ صوبہ سرحد کو اصلاحات ملنے میں سائمن کمیشن کی پیش کردہ تجاویز بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ کمیشن نے یہ تسلیم کیا کہ یہاں بھی اصلاحات ہونی چاہیں لیکن یہاں قانون ساز اسمبلی کی ہیئت ترکیبی دیگر صوبوں سے قطعاً مختلف ہو اور یہ باآسانی چیف کمشنر کے زیراثر رہے۔

۱۹۲۹ء میں صوبہ سرحد میں ایک پارٹی خدائی خدمت گار کے نام سے معرض وجود میں آئی جسکے سربراہ خان عبدالغفار خان (۱۸۹۰ء - ۱۹۹۰ء) تھے۔ اس پارٹی کے مقاصد اور طریق کار پر گاندھی کے ان خیالات کی گہری چھاپ تھی جن کے اثرات پارٹی کے بانی رہنما پر نمایاں تھے۔ اس کے ہر رکن کو یہ اعلان کرنا پڑتا تھا کہ وہ ہر قسم کے تشدد اور انتقام سے اجتناب کرے گا اور ذاتی مفادات

سے بالاتر ہو کر انسانیت کی بے لوث خدمت کریگا[۲۹]۔اسکے کارکن سرخ رنگ کی شرٹ پہنتے تھے اس لئے یہ سرخ پوش بھی کہلائے۔۱۹۲۹ء میں کانگریس کے اجلاس منعقدہ لاہور میں یہ تنظیم پہلی بار ہند کی سیاست میں روشناس ہوئی یہیں پر عبدالغفار خاں نے اپنی تنظیم کو پورے، ستدی، اور مہارت کے ساتھ منظم کرنیکا فیصلہ کیا[۳۰]۔اسکی تنظیم کچھ یوں تھی کہ دیہاتی کمیٹی جو کہ جرگہ کہلاتی تھی اسکا بنیادی یونٹ تھا۔دوسرا درجہ ٹاپا(Tappa) تھا جو کہ کئی دیہاتوں کے اراکین پر مشتمل ہوتا تھا اسکے بعد تحصیل و ضلع کی سطح پر اسکی تنظیم تھی اور آخر میں صوبائی سطح پر صوبائی جرگہ تھا اس تنظیم میں رضاکاروں کے دستے تھے جنکے سربراہ کو سالار اعظم کہاجاتا تھا۔یہ عہدہ عبدالغفار خان کے لئے مخصوص تھا۔دوسرے درجہ کی رضاکار قیادت سالار[۳۱] کہلاتی تھی۔اسی سال ایک رسالہ "پختون" جاری ہوا جو پارٹی پروگرام کارکردگی اور آئندہ لائحہ عمل کی تشہیر کرتا تھا۔خان عبدالغفار خان کی برطانوی استعماریت کے خلاف جدوجہد کے کردار نے پارٹی کو صوبہ سرحد کے عوام میں مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا جو کہ برطانوی استعماریت کے خلاف نسل در نسل جدوجہد کا شاندار ماضی رکھتے تھے۔

خان عبدالغفار خان مہاتما گاندھی سے اس حد تک متاثر تھے کہ سیاسی افکار کے ساتھ ساتھ انہوں نے طرز بود و باش میں بھی انکی مماثلت اختیار کرلی تھی اور اسی بناء پر وہ "سرحدی گاندھی" کہلائے انہوں نے کانگریس کے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۱ء (کراچی) میں شرکت کی جس نے عبدالغفار خاں کو کانگریس کے اور بھی قریب کردیا حتیٰ کہ ۹ اگست ۱۹۳۱ء کو انہوں نے اپنی تنظیم کو کانگریس میں مدغم کرنیکا اعلان کردیا۔اس اعلان کی رو سے طے پایا کہ افغان جرگہ آئندہ "فرنٹیئر کانگریس کمیٹی" کہلائیگا۔خدائی خدمت گاروں کو آئندہ سے کانگریس رضاکار تصور کیا جائے گا۔اور جرگہ کے دفتر پر آئندہ ترنگا جھنڈا[۳۲] لہرایا جائے گا۔صوبہ کی معاشرتی و سیاسی زندگی پر خدائی خدمت گار کے اثرات بہت گہرے پڑے لیکن چونکہ یہ تنظیم کانگریس میں ضم کردی گئی اس لئے بحیثیت تحریک اسکا تذکرہ تاریخی واقعات سے حذف ہو گیا۔

۱۹۳۰ء میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے صوبہ کی سیاسی صورتحال پر وہ اثرات مرتب کئے جس نے کل ہند کی سیاست کو بھی بہت زیادہ متاثر کیا۔کانگریس کے اجلاس لاہور منعقدہ دسمبر

۱۹۲۹ء میں منظور کردہ قرارداد[۳۳] پر عمل پیرا ہونے کے لئے سرحد میں بھی ایک پروگرام مرتب کیا گیا مجلس خلافت کانگریس اور نوجوان بھارت سبھا نے ترک موالات کے پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے[۳۴] ۱۲ افراد پر مشتمل ایک وار کونسل بنائی ۔چند دن تک مظاہرے ہوتے رہے لیکن جب یہ فیصلہ ہوا کہ شراب خانوں پر "پکٹنگ" کی جائے تو حکومتی مشینری حرکت میں آگئی ۔۲۲ اور ۲۳ اپریل کی درمیانی شب کو بہت سے کارکن گرفتار کر لئے گئے[۳۵] ۔اس پر لوگوں کا اجتماع ہو گیا مجمع کو کمال تدبر سے منتشر کرنے کی بجائے انسپکٹر جنرل پولیس آئس مونگر نے پولیس کو باقاعدہ گولی چلانے کا حکم دے دیا ۔اور پھر جلیانوالہ باغ[۳۶] سے بھی بدتر مظاہرے دیکھنے میں آئے ۔اس ظالمانہ طرز عمل پر کانگریس آگے بڑھی ۔ اس نے نہایت شدومد سے اسکی مذمت کی مسٹر ولبھ بھائی پٹیل (۱۸۷۵ء ۔ ۱۹۵۰ء) کی سرکردگی میں ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی گئی حکومت نے اس کمیٹی کا صوبہ میں داخلہ بند کر دیا تو اس نے اپنی رپورٹ راولپنڈی میں مرتب کی ۔خان عبدالغفار خان کی گرفتاری اور انکی خدائی خدمت گار تحریک کی استقامت نے کانگریس کو صوبہ کی نہایت مقتدر پارٹی بنا دیا ۔ جسکے اثرات کو ختم کرنے اور کانگریس کی مسلم دشمنی کو واضح کرنے کے لئے مسلم لیگ کو ایک طویل جدوجہد کرنا پڑی ۔

ہندوستان کے آئینی مسائل کو سلجھانے کے لئے ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۲ء مسلسل تین گول میز کانفرنسوں کا انعقاد عمل میں آیا ۔اگرچہ یہ کانفرنسیں مطلوبہ نتائج تو حاصل نہ کر سکیں لیکن ان میں صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کرنیکا اعلان کر دیا گیا ۔اعلان میں کہا گیا کہ صوبے میں چیف کمشنر کی بجائے گورنر کا تقرر عمل میں لایا جائے گا اور دیگر صوبوں کی طرح یہاں بھی قانون ساز کونسل قائم کی جائے گی ۔اس طرح مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ پورا ہوا اور صوبہ سرحد برطانوی ہند کے دوسرے صوبوں کے مساوی ہو گیا ۔ان کانفرنسوں میں صاحبزادہ عبدالقیوم خان سرحد کے مسلمانوں کے نمائندے بن کر گئے تھے اور انکے سیکرٹری سردار محمد اورنگ زیب خان تھے جو بعد میں صوبہ سرحد کے پہلے لیگی وزیراعظم بنے ۔

۱۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن (۱۸۶۵ء ۔۱۹۴۱ء) (Willingdon) پشاور کے دورہ پر آئے ۔انہوں نے صوبے کے چیف کمشنر رالف گرفتھ کو گورنر کا عہدہ دیئے جانیکا اعلان کیا ۔

۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو فرنٹیئر لیجسلیٹو کونسل کا پہلا باقاعدہ اجلاس وکٹوریہ میموریل ہال (موجودہ عجائب گھر) پشاور میں منعقد ہوا۔ یہ کونسل چالیس ارکان پر مشتمل تھی جن میں سے ۲۸ منتخب اور ۱۲ نامزد ارکان تھے۔ منتخب اراکین میں سے ۲۲ مسلمان ۵ ہندو اور ایک سکھ[۳۷] تھا۔ کونسل میں صرف ایک ہی سرکاری وزیر صاحبزادہ عبدالقیوم خان تھے۔ رئیس خان بہادر عبدالغفور کونسل کے سپیکر اور ڈیرہ کے خان بہادر عبدالرحیم خان ڈپٹی سپیکر تھے۔ جبکہ کونسل کے سیکرٹری کے فرائض شیخ عبدالحمید (بعد میں جسٹس) انجام دیتے تھے[۳۸]۔ ۲۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے محکمہ جات کا حلف اٹھایا۔ صاحبزادہ بڑے باصلاحیت انسان تھے۔ وہ جدید صوبہ سرحد کے معمار تھے صوبہ سرحد کو ترقی دینے میں انکا بڑا ہاتھ ہے۔ انکے دور وزارت میں پشاور میں ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا۔ مالاکنڈ الیکٹرو ہائیڈرو سکیم پر کام کا آغاز ہوا۔ شریعت ایکٹ منظور ہوا۔ قانون بنایا گیا کہ غیر مسلم اور غیر زراعت پیشہ لوگ زرعی زمینیں نہ خریدنے پائیں۔ تعلیمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اردو کو سرکاری زبان اور ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا۔ ایسے مدارس کی سرکاری امداد بند کر دیگی جہاں ہندی اور گورمکھی ذریعہ تعلیم تھی[۳۹]۔ الغرض اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ صوبہ سرحد کو آئینی اصلاحات اگرچہ بہت تاخیر سے ملیں لیکن انکی پہلی وزارت نے فلاح و بہبود کے حامل قابل رشک اقدامات کرکے اس تاخیر کی بڑی حد تک تلافی کر دی۔ مسلم اکثریتی علاقے یا صوبے میں ایک مسلمان وزیر کی اس کارکردگی کو ہندو اور سکھ برداشت نہ کر سکے اور جس طریقے سے فضل حسین[۴۰] کے (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۶ء) خلاف پنجاب میں اور خواجہ ناظم الدین[۴۱] (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۴ء) کے خلاف بنگال میں ہندوؤں نے ایک منظم، بھرپور اور فعال تحریک چلائی تھی اسی طرح صوبہ سرحد کا پورا پریس صاحبزادہ کی مخالفت کے لئے وقف ہوگیا۔ لیکن صاحبزادہ کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی اور وہ پوری استعداد کار[۴۲] کے ساتھ اپنے عوام کی خدمت میں مصروف رہے۔ اسی دور میں (Frontier Crime Regulation) وائسرائے کے اعلان کے تحت ایک سال کے لئے منسوخ ہوا۔

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبہ سرحد کو مزید آئینی مراعات ملیں قانون ساز کونسل کو قانون ساز اسمبلی کا درجہ دے دیا گیا۔ اسمبلی میں نشستوں کی تعداد بڑھا کر ۵۰ کر دیگی۔ اسمبلی میں

نمائندگی کا تناسب اس طرح تھا کہ مسلمان ۳۶ ہندو ۹ سکھ ۳ اور زمیندار ۲۔ نامزدگی کا طریق کار ختم کر دیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت منعقد ہونے والے انتخابات پورے ہند میں غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے کیونکہ کامیاب ہونے والی پارٹی نہ صرف حکومت کرنیکی حقدار ہوتی بلکہ نو منتخب اراکین ہی مرکزی اسمبلی کے لئے اراکین کا انتخاب کرتے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قائداعظم نے اپنے سیاسی رفقاء سے مشورہ کرکے ایک سنٹرل پارلیمانی بورڈ تشکیل دیا اور ہند کی ملت اسلامیہ کو ہدایت فرمائی کہ جہاں جہاں لیگ موجود نہیں ہے وہاں لیگ قائم کی جائے اور جہاں موجود ہے اسے فعال، منظم اور متحرک بنایا جائے۔ اسکے ساتھ ہی انہوں نے خود پورے ملک کا دورہ کیا اور اس ضمن میں آپ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو بروز اتوار بذریعہ بمبئی ایکسپریس پشاور پہنچے۔ پشاور میں آپ نے مختلف وفود سے ملاقاتیں کیں۔ اسلامیہ کالج پشاور تشریف لے گئے جلسہ عام سے خطاب فرمایا اور ایڈورڈز کالج میں بھی طلباء سے خطاب فرمایا۔ لنڈی کوتل جمرود اور طورخم کا دورہ فرمایا۔ وہاں کے خوانین سے ملاقاتیں کیں۔ ۲۴ اکتوبر کو ایک خصوصی اجلاس بھی منعقد ہوا جس میں آزاد مسلم پارٹی، مسلم ایسوسی ایشن اور تحریک خلافت کے مقتدر رہنماؤں نے شرکت کی اجلاس میں سرحد قانون ساز کونسل کے اکثر وہ مسلمان ارکان بھی شریک ہوئے جو آزاد مسلم پارٹی کے ممبر تھے۔ قائداعظمؒ نے ہر جگہ یہی ہدایت فرمائی کہ وہ ملی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے سرحد کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کے لئے مسلم لیگ کے قیام اور اس کو فعال رکھنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ تاکہ آئندہ منعقد ہونے والے انتخابات میں مسلمان لیگ کی بنیاد پر حصہ لے سکیں۔ قائداعظم کی اس ہدایت کا جواب سرحد کی مسلم خلاق اقلیت اور عوام نے جس جوش و خروش سے دیا اسکے رد عمل کے طور پر قائداعظم نے اپنے الوداعی پیغام میں فرمایا کہ "میں اپنے اس دورے سے مکمل طور پر مطمئن ہوں اور سرحد کے روشن مستقبل کے لئے پرامید بھی"[۴۳]۔

مذکورہ بالا خصوصی اجلاس منعقدہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں باہمی مشاورت سے یہ طے پایا کہ "سردست ہم مسلم لیگ کو منظم کرنے کی ابتداء کریں ذاتی صلاحیتوں سے جو مسلمان ممبر الیکشن میں کامیاب ہو جائیں وہ اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بنا کر سرحد میں مسلم لیگ کو فعال اور مضبوط بنا سکیں گے"[۴۴]۔ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبہ سرحد میں انتخابات یکم تا ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء کو

ہونے قرار پائے کانگریس پارٹی، ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی اور آزاد امیدواروں کے درمیان مقابلہ تھا۔ ایک لاکھ اناسی ہزار پانچ سو انتیس (۱،۷۹،۵۲۹) ووٹ ڈالے گئے۔ دیہاتی مسلم حلقوں میں ووٹ ڈالنے کا تناسب سب سے زیادہ رہا جبکہ سکھ حلقوں میں سب سے کم ووٹ ڈالے گئے۔ انتخابات کے نتائج کے مطابق کانگریس نے ۱۹ ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی نے ۷، آزاد پارٹی ۲، اور آزاد امیدواروں نے ۲۲ نشستیں حاصل کیں۔ انتخابات کے نتیجہ میں کانگریس اگرچہ سب سے بڑی پارٹی کے طور پر ابھر کر سامنے آئی لیکن قطعی اکثریت اسے بھی حاصل نہ ہو سکی [۴۵]۔ ایس ایم اکرام نے کانگریس کی نشستوں کی تعداد تو ۱۹ ہی لکھی ہے لیکن سر عبدالقیوم خان کی یونائیٹڈ مسلم نیشنلسٹ پارٹی کی حاصل کردہ تعداد وہ ۱۶ لکھتے ہیں اور ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی کی حاصل کردہ تعداد وہ سات کی بجائے آٹھ تحریر کرتے ہیں [۴۶]۔ اس فرق کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت آزاد منتخب ہونے والے مسلم ممبرز سر صاحبزادہ عبدالقیوم کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور ایک غیر مسلم ممبر ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی میں شامل ہو گیا۔

۱۵ اپریل ۱۹۳۷ء کو صوبہ سرحد کے گورنر (Sir Raliph Griffith) نے پہلی صوبائی اسمبلی کی رسم افتتاح انجام دی۔ اس اجلاس میں ملک خدا بخش ایڈووکیٹ کو اسمبلی کا سپیکر منتخب کیا گیا۔

خان عبدالغفار خان کی کانگریس اور صاحبزادہ گروپ میں سخت مقابلہ تھا۔ دوسرے گروپوں کو ملا لینے والی جماعت ہی وزارت سازی میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ اس سیاسی جنگ میں صاحبزادہ صاحب کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ انہوں نے رائے بہادر مہر چند کھنہ کو وزارت کی پیشکش کر کے اور ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی کے محمد سرور خان کو ڈپٹی سپیکر کا عہدہ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا اس طرح وزارت سازی میں کامیابی حاصل کر لی۔ کابینہ کی تشکیل کچھ اس طرح سے ہوئی۔

وزیر اعظم	صاحبزادہ عبدالقیوم خان
وزیر مالیات	رائے بہادر مہر چند کھنہ
وزیر تعلیم	خان بہادر سعد اللہ خان [۴۷]

پہلی سرحدی اسمبلی کے آغاز کار ہی سے کانگریس کا رویہ مخالفانہ تھا چنانچہ کانگریس کے صف

اول کے رہنما مولانا ابو الکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) اور ڈاکٹر راجندر پرشاد اس نو تشکیل شدہ وزارت کے خاتمہ کے لئے سرحد بھیجے گئے۔ دونوں رہنماؤں نے اپنے اپنے ہم مذہب اراکین اسمبلی پر فیصلہ کن اثرات مرتب کئے۔ اول الذکر نے ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی کے مسلمان ممبران کو صاحبزادہ سے جدا کر دیا جبکہ آخرالذکر نے ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی کے دو اراکین کی وفاداریاں تبدیل کرا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو جب ڈاکٹر خان صاحب (۱۸۸۲ء۔ ۱۹۵۸ء) کی جانب سے صاحبزادہ وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی گئی تو وہ بائیس کے مقابلہ میں ستائیس ووٹوں سے کامیاب ہو گئی جسکے نتیجہ میں ہند کے سب سے بڑے مسلم اکثریتی صوبے میں کانگریس وزارت سازی میں کامیاب ہو گئی۔ کانگریس کی اس پہلی وزارت میں وزیراعظم ڈاکٹر خان صاحب تھے۔ وزیر تعلیم قاضی عطاء اللہ، وزیر مالیات دیوان بھنجو رام گاندھی اور وزیر جنگلات خان محمد عباس خان تھے [۴۷]۔ یہ وزارت کانگریس کی بے اصول سیاست کی ایک مثال تھی۔ کانگریس نے مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کے لئے واضح طور پر اعلان کر دیا تھا کہ کانگریس مخلوط وزارت سازی نہیں کریگی [۴۸]۔

پہلی سرحدی کابینہ نے جہاں پشاور کے لیڈی گرفتھ گرلز ہائی سکول میں انٹرمیڈیٹ کلاسز کا اجراء کیا وہیں کامرس کی تعلیم کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ انہی دنوں صوبہ میں پن بجلی کا پہلا منصوبہ ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم تکمیل پذیر ہوا۔ اس کا باقاعدہ افتتاح ۲۳ اپریل ۱۹۳۸ء کو وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے کیا یہ منصوبہ سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے شروع کیا تھا۔ اس منصوبہ کے زیر اثر تین لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین سیراب ہونی تھی [۴۹]۔

کانگریس کا آرگن " پشتون " دوبارہ جاری کیا گیا۔ آنریری مجسٹریٹ کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ سکولوں میں پشتو تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ کانگریس کی صف اول کی قیادت جواہرلال نہرو اور ایم کے گاندھی نے صوبہ سرحد کے دورے کئے۔ ۱۹۳۸ء میں کانگریس وزارت نے نہ صرف سیاسی قیدیوں کی رہائی کا حکم دیدیا بلکہ بدنام زمانہ " فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن " (قوانین جرائم صوبہ سرحد) کو بھی ختم کر دیا۔ اسے کالا قانون بھی کہتے تھے۔ اس قانون کی رو سے حکومت کسی بھی شخص پر مقدمہ چلا سکتی تھی اور من مانی سزا دے سکتی تھی۔ اس سال تخت بھائی، ضلع مردان میں شکر سازی کے کارخانے کی

تعمیر کا کام بھی شروع ہوا[۵۰] مختصر سی مدت میں یہ کارکردگی مایوس کن نہ تھی لیکن سب سے زیادہ توجہ کے قابل پہلو یہ تھا کہ اس مسلم اکثریتی صوبے میں مسلمانوں کی مدد سے قائم ہونے والی اس وزارت کا بنیادی مقصد ہندوؤں کو خوش کرنا تھا۔چنانچہ وزیرستان اور آزاد قبائل پر انگریز اپنی استعماریت برقرار رکھنے کے لئے آئے دن بمباری کرتا تو کانگریس اس ظالمانہ طرز عمل پر محض اس لئے خاموش رہی کہ مبادا مسلمانوں کی حمایت میں بولنے پر سرحد کے ہندو اور کانگریس کی اعلیٰ قیادت ناراض ہوجائے جب معاملہ حد سے بڑھا تو دسمبر ۱۹۳۸ء کے اجلاس مسلم لیگ منعقدہ پٹنہ (بہار) میں مولانا ظفر علی خانؒ (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۶ء) نے ایک طرف تو انگریزوں کی اس ظالمانہ کارروائی کی مذمت کی اور دوسری طرف صوبے کی کانگریس وزارت کی اس مجرمانہ خاموشی پر زور الفاظ میں مذمت کی[۵۱]۔

صوبے کی سیاست میں اس دوران ایک قابل ذکر بات کانگریس اور خدائی خدمت گار تحریک کی رکنیت سازی تھی ۱۹۳۹ء تک دونوں جماعتوں کے اراکین کی تعداد اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) تک جا پہنچی۔آنریری مجسٹریٹ کے عہدہ کے خاتمہ سے قدیم خوانین کے اقتدار کو کافی حد تک ضعف پہنچا[۵۲]۔اسی اثناء میں دو قوانین "زراعتی قرضے میں دادرسی[۵۳]" (Agriculturist Debtor,s Relief Act) اور فسادات کی بندش کے لئے "غنڈہ ایکٹ" بنایا جس سے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو وسیع اختیارات مل گئے۔۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو ایبٹ آباد میں صوبہ کے چیدہ چیدہ مسلمانوں کا ایک اجلاس سرحد کے مشہور پشتو ادیب اور شاعر عبدالخالق خلیق کی زیر صدارت منعقد ہوا۔اجلاس میں میاں نورالدین، حکیم عبدالعزیز چشتی، مولانا شاکراللہ اور فقیر محمد خان نے مسلم لیگ کے قیام پر زور دیتے ہوئے اپنی تقریر میں حاضرین سے کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں کانگریس کی مسلم دشمنی کا مقابلہ کرسکتے ہیں جبکہ وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اپنے آپ کو منظم کریں۔اسکے بعد اتفاق رائے سے درج ذیل صوبائی عہدیدار چنے گئے۔

صدر مولانا شعیب، جنرل سیکرٹری محمد اسمٰعیل غزنوی، نائب صدر مولانا شاکر اللہ، جوائنٹ سیکرٹری مولانا محمد اسحق (ایبٹ آباد)، خزانچی عبدالحلیم جلوزئی۔عہدیداران کے انتخاب کے بعد تحصیل، ضلع اور شہروں کی سطح پر مسلم لیگ کے قیام کی اپیل کی گئی۔اسکے ساتھ ہی نو منتخب جنرل

سیکرٹری نے صوبائی مسلم لیگ کا آئین تیار کیا جسکے مطابق صوبائی لیگ کا نام فرنٹیئر مسلم لیگ رکھا گیا نئے آئین کے مطابق ڈسٹرکٹ لیگوں کے انتخابات عمل میں آئے اور اس کے بعد پورے صوبے میں لیگ کا پیغام پہنچانے کے لئے ایک مربوط ہمہ گیر اور موثر پروگرام پر عمل کیا گیا [۵۳]۔ لیگ کا پیغام پہنچانے میں اورنگ زیب خان اور خان بہادر سعد اللہ خان کی کوششیں نہایت اہمیت کی حامل رہیں ۔ اسی طرح ایبٹ آباد کے عبدالعزیز چشتی، پشاور کے مولانا عبدالودود سرحدی، میاں نورالدین، اللہ بخش یوسفی اور رحیم بخش غزنوی کی خدمات بھی مسلم لیگ کے لئے احیائے نو کا سبب بنیں ۔

مسلم لیگ کی اس ابھرتی ہوئی تنظیم کی کوششوں کے نہایت حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے ۔ قائداعظم کے دورہ سرحد نے بھی کانگریس کے اثرات کو زائل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ کانگریسی وزارت کی موجودگی کے باوجود ضمنی انتخابات میں کانگریسی امیدوار لیگی امیدواروں کے مقابلے میں شکست کھاتے رہے ۔ ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو راجہ منوچہر نے ہزارہ میں لیگی امیدوار کے طور پر سلطان العارفین کے خلاف الیکشن لڑا ۔ راجہ صاحب نے ۱۳۷۹ ووٹ حاصل کئے جبکہ کانگریسی امیدوار کو ۷۸۰ ووٹ ملے ۔ چار ماہ بعد یعنی جون ۱۹۳۸ء ہی میں کانگریس کے راجہ مہدی زمان نے لیگی امیدوار عبدالرشید طاہر خیلی سے ہزارہ کے حلقہ ہری پور میں شکست کھائی جبکہ راجہ مہدی زمان کے لئے وزیراعظم سرحد بنفس نفیس انتخابی حلقہ (ہری پور) میں موجود رہے ۔ اسی طرح ۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو ہزارہ میونسپلٹی کے چیئرمین کی سیٹ کے انتخاب میں لیگی امیدوار راجہ حیدر زمان نے کانگریسی امیدوار قاضی محمد صادق ایڈووکیٹ کو شکست دی [۵۴]۔

صوبہ سرحد کی تاریخ میں پہلی بار کانگریس کے اقتدار کو ضعف پہنچ رہا تھا اور مسلم لیگ ایک نئی طاقت بن کر ابھر رہی تھی کہ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہو گیا ۔ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے اعلان کر دیا کہ اس جنگ میں ہندوستان ایک فریق ہے ۔ کانگریس حکومت برطانیہ کی جنگی پالیسی سے مطمئن [۵۵] نہیں تھی اسکی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس واردھا میں ۸ تا ۱۴ ستمبر تک منعقد ہوا اور اس نے اس جنگ میں ہندوستان کو ایک فریق بنانے کی برطانوی پالیسی کو چند مطالبات [۵۶] کے ساتھ مشروط کر دیا جبکہ وائسرائے کو وہ شرائط منظور نہیں تھیں ۔ چنانچہ ۲۲ ۔ ۲۳

اکتوبر ۱۹۳۹ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس پھر واردھا میں منعقد ہوا۔ جس میں کانگریسی وزارتوں کو مستعفی ہونے کا حکم دیا گیا۔ نتیجتاً صوبہ سرحد کی حکومت بھی ۷ نومبر ۱۹۳۹ء کو مستعفی ہو گئی اور ۱۱ نومبر کو ۹۳۔الف کے تحت گورنر نے صوبہ میں گورنر راج قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ۱۹۴۰ء کا سال لیگ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے مسلمانوں نے لیگ کے پرچم تلے لاہور کے اجلاس منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں اپنی منزل متعین کر لی۔ یہ منزل اسقدر پر کشش تھی کہ مسلم لیگ برصغیر کی ملت اسلامیہ کی آرزوؤں کا مرکز بن گئی۔ صوبہ سرحد میں بھی یہی صورتحال تھی۔ مسلم لیگ میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔ نومبر ۱۹۴۰ء میں لیگ کے عہدیداران کا انتخاب ہوا جس کے نتیجہ میں

بخت جمال خان	صدر
خان بہادر ضیاالدین	نائب صدر
میاں شاد محمد	جنرل سیکرٹری
ملک شاد محمد	جوائنٹ سیکرٹری
محمد زمان خان	اسسٹنٹ سیکرٹری
میاں غلام حسین	خزانچی مقرر ہوئے

نو منتخب عہدیداران نے لیگ کے پیغام کو عوام تک پہنچانے میں نہایت جانفشانی سے کام لیا۔ بطور خاص سعد اللہ خان بہت فعال رہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ قائداعظم نے فرمایا کہ اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ مسلم لیگ صوبے میں بہت کمزور تھی لیکن اب وہ ایک فعال قوت بن گئی ہے۔ اس نے تمام ضمنی انتخابات [58] جیتے ہیں۔ قائداعظم کے اس دعوے کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ کانگریس کی "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک صوبہ سرحد میں کامیاب نہ ہو سکی [59] حالانکہ یہ صوبہ کانگریس کا ایک مضبوط قلعہ تصور ہوتا تھا۔ مسلم لیگ کی فعالیت کی حقیقت اس وقت اور زیادہ واضح ہو گئی جب اگست ۱۹۴۳ء میں ضمنی انتخابات ہوتے اور لیگ نے چاروں مسلم نشستیں حاصل کر کے کانگریس کو شکست فاش دے دی [59]۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے گورنر نے اورنگ زیب خان قائد حزب اختلاف کو ۱۴ مئی ۱۹۴۳ء کو وزارت تشکیل دینے کی دعوت دی [60] چنانچہ

لیگ، اکالی مخلوط وزارت نے ۲۵ مئی ۱۹۴۳ء کو حلف اٹھایا[۶۱]۔ سردار اورنگ زیب خان وزیراعظم بنے انکے معاونین میں ثمن جان خان وزیر تعلیم، سردار عبدالرب نشتر (۱۸۹۹ء۔۱۹۵۸ء) وزیر خزانہ، راجہ عبدالرحمن خان وزیر اطلاعات اور اجیت سنگھ وزیر رفاہ عامہ و صحت بنے[۶۲]۔ سردار اورنگ زیب وزیراعظم بن کر نہ تو مسلم لیگ کو مضبوط و فعال کرسکے اور نہ ہی وہ ممبران اسمبلی کو اپنے گرد اکھٹا کرسکے۔ گورنر سرحد کننگھم نے وائسرائے لارڈ ویول کو بتایا کہ اورنگ زیب کی وزارت غیر مستحکم بنیادوں پر قائم ہے اور عین ممکن ہے کہ وہ بجٹ کے موقعہ پر ختم کردی جائے[۶۳]۔ ایسا ہی ہوا۔ ۹ مارچ ۱۹۴۵ء کو اسمبلی کا بجٹ اجلاس شروع ہوا۔ ۱۲ مارچ کو مخلوط وزارت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوئی[۶۴] جو ۲۲ ممبران کی مدد سے پاس ہوگئی اور ۱۶ مارچ کو دوسری کانگریسی وزارت نے ڈاکٹر خان صاحب کی سربراہی میں حلف اٹھالیا۔ مسلم لیگ کے لئے یہ ایک بڑا نازک مرحلہ تھا۔ کانگریس نے مسلم لیگ کی وزارت کی غیر تسلی بخش کارکردگی اور عدم تنظیم سے فائدہ اٹھایا تھا چنانچہ ضرورت اس امر کی محسوس کی گئی کہ مسلم لیگ کی تنظیم نو کی جائے لہذا آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس اپریل ۱۹۴۵ء منعقدہ دہلی میں فیصلہ کیا گیا کہ صوبائی مسلم لیگ اور اسکی ماتحت شاخوں کو توڑ دیا جائے اور قاضی عیسیٰ (۱۹۱۴ء۔۱۹۷۶ء) کو تمام معاملات کا ذمہ دار بنادیا جائے لیکن قاضی عیسیٰ بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے جس کے نتیجہ میں ۲۶ ستمبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کی مجلس عمل کا ایک وفد پشاور پہنچا جس میں نواب محمد اسمٰعیل خان اور چوہدری خلیق الزمان (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۳ء) شامل تھے لیکن انکی کوششیں بھی بارآور نہ ہوسکیں۔ دراصل لیگ کے باہمی اختلافات اس حد تک سنگین ہوچکے تھے کہ کسی بھی نتیجہ یا فیصلہ پر پہنچنا محال ہورہا تھا۔ یہ صورتحال اس وقت ختم ہوئی جب پیر صاحب مانکی شریف امین الحسنات (۱۹۲۳ء۔۱۹۶۰ء) نے لیگ کی قیادت سنبھالی انہی ایام میں پیر عبداللطیف زکوڑی شریف اور خان عبدالقیوم خان نے بھی لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔ ان حضرات کی آمد سے مسلم لیگ کو حیات نو مل گئی اور لیگ اس قابل ہوگئی کہ آئندہ آنے والے الیکشن میں کانگریس کی حریف بن کر سامنے آسکے۔

فرنٹیئر مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ وہ ۳۶ مسلم حلقوں اور ۲ زمینداروں کے حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے کرے گی جبکہ فرنٹیئر کانگریس نے ۴۰ نشستوں پر انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا جن میں

۲۷ مسلم حلقے، ۹ ہندو حلقے تین سکھ حلقے اور ایک جنرل حلقہ شامل تھا۔ان دونوں پارٹیوں کے علاوہ احرار نے ۸ حلقوں سے خاکسار نے ۱۱ حلقوں سے اکالیوں نے ۳ حلقوں سے جمعیتہ نے ۴ حلقوں سے اور ہندو سبھا نے ایک حلقہ سے اپنے امیدوار کھڑے کئے [۶۵]۔ مسلم لیگ کے امیدواروں کے حق میں علی گڑھ وکلکتہ کے طالبعلم سرحد آئے۔ حتیٰ کہ پنجاب سے ممتاز شاہ نواز طالبات کا ایک گروپ لے کر آئیں اور انہوں نے خواتین میں کام کیا۔ مسلم لیگ نے یہ انتخاب پاکستان اور ہندوؤں کی بالادستی کے خاتمہ کے نام پر لڑا جبکہ کانگریس نے برطانوی استعماریت اور جاگیرداروں کو ہدف تنقید بنایا۔

رائے دہی کا عمل ۲۶ جنوری اور ۱۴ فروری کے درمیان ہوا۔ ۱۸ فروری تک تمام حلقوں کے نتائج سامنے آگئے۔ نتائج کے مطابق کانگریس نے ۵۰ کے ایوان میں ۳۰ نشستیں جیتیں جس میں ۱۸ مسلم حلقے شامل تھے۔اسکے برعکس مسلم لیگ نے ۱۷ نشستیں حاصل کیں جو تمام مسلم حلقوں سے تھیں۔ نتائج حسب ذیل رہے۔ [۶۶]۔

پارٹی	حاصلکردہ کل نشستیں	دیہاتی مسلم حلقے	شہری مسلم حلقے	دیہاتی جنرل حلقے	شہری جنرل حلقے	سکھ حلقے	حلقے برائے زمیندار
کانگریس	۳۰	۱۸	۱	۶	۳	۲	-
مسلم لیگ	۱۷	۱۳	۲	-	-	-	۲
جمعیت العلماء	۲	۲	-	-	-	-	-
اکالی دل	۱	-	-	-	-	۱	-

اس طرح ان انتخابات نے کانگریسی وزارت کو استحکام بخشا اور ۹۰ فیصد سے زیادہ مسلم آبادی والا صوبہ کانگریس کے زیر اثر آگیا۔صوبہ سرحد میں کانگریسی وزارت بظاہر اس امر کی عکاسی کرتی تھی کہ سرحدی مسلمانوں نے کانگریس ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھا ہوا ہے۔یہ تاثر اسوقت ختم ہوا جب ہزارہ کے علاقہ گلیات کی نو مسلم خاتون [۶۷] کا مسئلہ سامنے آیا۔وزیراعظم نے اس مسئلہ کو تدبر سے سلجھانے کی بجائے لیگی رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔یہ واقعہ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو رونما ہوا۔اسکے بعد پورا صوبہ سول نافرمانی کی لپیٹ میں آگیا۔تحریک کا زور توڑنے کے لئے گورنر سراولف کیرو، وائسرائے، وزیراعظم اور پنڈت نہرو کی میٹنگ ہوئی۔وزیراعظم نے شہری پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا لیکن پورا صوبہ سرحد خان، چند وزارت کے خلاف ایک دیوار بن گیا۔ترغیب، تحریص،

تشدد [۶۸] کوئی حربہ بھی اس تحریک کو ختم نہ کرسکا حتیٰ کہ جب قائداعظم نے تحریک کے خاتمے اور ۳ جون منصوبے کے تحت صوبے میں استصواب رائے کا اعلان کیا تو تحریک ختم ہوئی اور اب مسلم لیگ کی تمام قوت استصواب کی تیاریوں میں صرف ہونے لگی ۔ ریفرنڈم کمیٹی بنائی جسکے صدر ابراہیم اسمعیل چندریگر (۱۸۹۷ء ۔ ۱۹۶۰ء) تھے ۔

ریفرنڈم کے لئے غیر جانب دار عملہ مقرر ہوا ۔ جے آر یو تھ ریفرنڈم کمشنر مقرر ہوئے ۔ حتیٰ کہ گورنر تک تبدیل کردیئے گئے ۔ نئے گورنر سرراب لوکہارٹ بنائے گئے ۔ ریفرنڈم کے لئے ۶ تا ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں ۔ تحریک سول نافرمانی نے عوام کے رحجان کی عکاسی کردی تھی رہی سہی کسر ریفرنڈم کے موقعہ پر پوری ہوگئی ۔ کانگریس کی اعلیٰ قیادت سے بھی عوام کا یہ رحجان مخفی نہ تھا ۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء کے پنڈت جواہرلال نہرو کے دورہ سرحد کی ناکامی کے بعد کانگریس کی اعلیٰ قیادت نے ریفرنڈم سے متعلق تمام معاملات کی ذمہ داری خان عبدالغفار خان کو سونپ دی ۔ چنانچہ خان صاحب نے اپنے تمام رفقاء سے مشورہ کرنے کے بعد ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو گاندھی جی کو مطلع کیا کہ ہمیں ریفرنڈم میں حصہ نہیں لینا چاہیئے ۔ ۱۸ جون کو انہوں نے قائداعظم سے ملاقات کی اور آزاد پختونستان کے لئے ریفرنڈم کرانے پر آمادگی ظاہر کی جو نہ قائداعظم کے لئے قابل قبول تھی اور نہ وائسرائے نے اسے پسند کیا ۔ ریفرنڈم ہوا ، ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو اسکا نتیجہ سامنے آیا وہ مندرجہ ذیل تھا [۶۹] ۔

کل ڈالے گئے ووٹ	پاکستان کے حق میں	بھارت کے حق میں
۲،۹۲،۱۱۸	۲،۸۹،۱۴۴	۲،۸۷۴

اس طرح صوبہ سرحد کی آزادی کا وہ سورج دوبارہ طلوع ہوا جسے ۱۸۲۰ء میں شروع ہونے والی غلامی کی طویل سیاہ رات نے ڈھانپ رکھا تھا ۔ غلامی کا یہ دور رنجیت سنگھ کے ظلم و ستم اور برطانوی استعمار کی دست درازیوں سے عبارت ہے ۔ جسے ختم کرنے کے لئے اہلیان صوبہ نے ایک طویل جدوجہد کی اس جدوجہد کے آخری مرحلے کی قیادت مسلم لیگ نے کی ۔

صوبہ سرحد کے تاریخی ادوار کا یہ تجزیہ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ اگرچہ ناگزیر حالات کی بناء پر اہالیان سرحد کو انکی مرضی کے خلاف زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا لیکن یہ عرصہ نہایت مختصر رہا

اہالیان سرحد نے دامے، درمے، قدمے اور سخنے کوششیں جاری رکھیں اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ ان اوراق کی ورق گردانی سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ اگر صوبہ سرحد کی مسلم خلاق اقلیت صحیح معنوں میں رہبری کا فریضہ سرانجام دیتی تو کانگریس سرحد میں کبھی فتح مندی سے سرفراز نہ ہوتی دراصل اول اول صوبائی لیگ کی قیادت میں اتحاد عمل ایثار و قربانی اور عوامی خدمت کے اس جذبہ کا فقدان تھا جس سے خدائی خدمت گار والے مزین تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو یقیناً بے جا نہ ہوگا کہ اگر صوبہ سرحد میں لیگ کی وزارت بدعنوانیوں، اقرباپروریوں اور لوٹ کھسوٹ میں اپنے آپ کو ملوث نہ کرتی تو نہ صرف وہ اپنا وجود برقرار رکھتی بلکہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں لیگ کو ویسی ہی شاندار فتح حاصل ہوتی جو اسکو ہند کے دیگر صوبوں '' میں حاصل ہوئی تھی۔ لیکن یہ امر واضح رہے کہ ان ناکامیوں کی ذمہ دار خلاق اقلیت تھی وگرنہ جہاں تک اسلام سے محبت، آزادی کے لئے ایثار و قربانی اور غیر مسلموں سے نفرت کے جذبات کا تعلق ہے تو وہ یہاں کے عوام میں بدرجہ اتم موجود تھے جسکا مظاہرہ صوبے کی تحریک سول نافرمانی اور ریفرنڈم کے دوران ہوا۔ یہی کردار صوبے میں بسنے والے عوام کا تشخص اور اثاثہ ہے۔ یہ ایک ایسا اثاثہ ہے جو اس صوبے کے لئے طرہ امتیاز ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد شفیع صابر، تاریخ صوبہ سرحد، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۔
۲۔ ایضاً، ص ص ۴۱۵۔ ۴۲۹۔
۳۔ اللہ بخش یوسفی، سرحد اور جدوجہد آزادی، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ص ۲۷۔ ۳۱ مزید دیکھئے: محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۲۵۔ ۵۴۶۔
۴۔ ایضاً، ص ۶۵۵۔ مزید دیکھئے: عزیز جاوید، قائداعظم اور صوبہ سرحد، پشاور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۔
۵۔ یوں تو سرزمین سرحد پر قدم رکھتے ہی انگریز کو زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۸۴۴ء سے ۱۹۰۱ء تک اسکو ۵۲ جنگیں لڑنا پڑیں ان جنگوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے۔ اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ، ص ۵۳۔ ۵۴ مزید برآں یہ کہ صرف ۹۹۔ ۱۸۹۴ء کے دوران سرحدی مہمات میں ۴۵ لاکھ پونڈ خرچ ہوئے (تقریر لارڈ کرزن ستمبر

۱۹۰۵ء، بحوالہ محمد شفیع صابر، ص ۴۹۔
۶۔ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۴۷۔
۷۔ ایضاً۔
۷(الف)۔ بی۔ایس۔نہار، Punjab Under The British Raj vol. 1، لاہور، س۔ن، ص ۵۷۔
۸۔ اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ، ص ۵۸۔
۹۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ شفیع صابر نے، صفحہ ۴۸، پر ۲۰ دسمبر ۱۹۰۱ء کی تاریخ درج کی ہے۔ لیکن اسی کتاب کے صفحہ ۵۵، پر لکھتے ہیں۔ "اگرچہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کا قیام شہنشاہ برطانیہ کے جشن سالگرہ کے موقعہ پر ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو عمل میں آیا تھا تاہم اس صوبہ کا باقاعدہ افتتاح ۱۱ اپریل ۱۹۰۲ء کو ہوا۔ اس دن وائسرائے لارڈ کرزن خود پشاور آیا۔ شاہی باغ میں ایک عظیم الشان دربار ترتیب دیا گیا"۔
۲۰ دسمبر کی تاریخ غلط ہے البتہ ۹ نومبر کی ۹ تاریخ دیگر مورخین نے بھی لکھی ہے۔ دیکھئے دیوان چند اوبھاری، The Evolution of North west Frontier Province، ۱۹۳۸ء، ص ۳۸۔ اسی طرح ۱۲ اپریل کی تاریخ بھی غلط ہے درست تاریخ ۲۶ اپریل ہے دیکھئے: لال بہا، N.W.F.P Administration under the British Raj، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء۔
۱۰۔ جان میلکن (مترجم) ایم انور رومان، شمال مغربی پاکستان اور برطانوی سامراج، لاہور، ۱۹۷۹ء، باب ہفتم تا دہم۔
۱۱۔ اس قانون کا اصل نام (Murderous Outrages Act 1877) تھا۔ جسکے تحت محض اس شک کی بناء پر کہ کوئی قبائلی کسی انگریز کو قتل کرنیکی نیت رکھتا تھا تختہ دار پر کھینچا جاتا رہا۔ اس قانون کے نفاذ کے وقت اعلان کیا گیا کہ اس کا اطلاق قبائلی علاقوں کے خطرناک افراد پر ہوگا لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے مقبوضہ علاقوں کے باشندوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکتے دیکھا۔ بحوالہ اللہ بخش یوسفی، ص ۶۱ مزید دیکھئے: سید مجاور حسین، Sardar Abdur Rab Nishtar : A Political Biography، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۲۔
۱۲۔ اس قانون کے تحت حکمران جسے چاہتے بلا کر نیک چلنی کی ضمانت طلب کرتے الزام ثابت کرنے کے لئے بس اس قدر کافی تھا کہ حاکم وقت یہ لکھ دے کہ اسے ارتکاب جرم کی تسلی تھی۔ ملزم کو صرف بیان دینے کی اجازت تھی وہ کوئی قانونی مشیر پیش نہیں کرسکتا تھا۔ یوں کہئے کہ افغان محاورے کے مطابق "وزگفتن و بربستند" کے مقولے پر عمل ہو رہا تھا۔ ملزمان سے بھاری بھرکم ضمانتیں طلب کی جاتی تھیں اور عدم ادخال ضمانت کی صورت

میں انہیں تین تین سال قید سخت کی سزائیں برداشت کرنی پڑتی تھیں اور کتنوں کو جلاوطن کیا گیا۔ بحوالہ اللہ بخش یوسفی، ص ۵۹۔ مزید دیکھئے: سید مجاور حسین، بحوالہ سابقہ، ص ۲۴۔

۱۳۔ انہیں قوانین کے تحت جرگہ سسٹم کا اجراء ہوا۔ اراکین جرگہ عام طور پر حکومت کے منظور نظران پڑھ اور جاہل افراد میں سے منتخب کئے جاتے تھے۔ ڈپٹی کمشنروں کی خوشنودی عام طور پر انتخاب کی شرط اول تھی اور غور کیجئے کہ ان جرگوں میں ایسے مقدمات زیر سماعت آتے کہ جنہیں قانونی حیثیت سے پولیس کا محکمہ تفتیش ناقابل سماعت قرار دے کر مسترد کر چکا ہوتا تھا۔

اراکین جرگہ صرف اسقدر لکھ دیتے تھے کہ ہم نے اعلانیہ اور خفیہ تحقیق کی ہے کہ ملزم مجرم ہے اسے سزا دی جائے۔۔۔۔ ایسے مقدمات میں ۱۴، ۱۴ سال قید بامشقت کی سزا سنائی جا سکتی تھی، بحوالہ اللہ بخش یوسفی، ص ۶۱ مزید دیکھئے۔ سید مجاور حسین شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۴۔

۱۴۔ مرکزی اسمبلی ڈیبیٹ، جلد سوئم، ص ۲۷۳۳

۱۵۔ ان اداروں میں گورنمنٹ ہائی سکول پشاور (۱۸۸۸ء) نیشنل ہائی سکول پشاور (۱۸۹۵ء) اسلامیہ ہائی سکول پشاور (۱۸۹۰ء) پشاور اور بنوں کے مشن ہائی سکول پہلے ہی قائم تھے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان، ہزارہ اور بنوں میں انجمن حمایت اسلام کے تحت اسکول قائم ہوئے۔

۱۶۔ حکومت نے ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کا فیصلہ کیا جو کہ ہندوؤں کی مخالفت کی بناء پر ۱۹۱۱ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹۰۶ء میں شملہ وفد وائسرائے لارڈ منٹو سے ملا جسکے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے اور مسلمانوں کو حق جداگانہ انتخاب ملا۔ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی۔ ان حالات میں سرحد کے نوجوانوں نے بھی اپنے آپ کو ملی دھارے میں اپنا کردار ادا کرنے پر اکسایا۔

۱۷۔ اس دور میں بحیثیت مجموعی عالم اسلام میں اہم سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مغربی طاقتوں نے کسی نہ کسی بہانے مسلمان ملکوں کو آزادی سے محروم کر دینے کی سازشیں تیز کر دیں۔ شمالی ایران پر روس نے اور جنوبی ایران پر برطانیہ نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ دوسری طرف ۱۹۱۲ء میں اٹلی نے طرابلس کی اسلامی حکومت پر حملہ کر دیا۔ صورتحال اس قدر سنگین ہو گئی کہ بلقان کی ریاستوں نے اکٹھے ہو کر یورپ کی واحد اسلامی مملکت ترکیہ پر دھاوا بول دیا جس پر سارا ہندوستان سراپا احتجاج بن گیا۔ سرحد بھی اس احتجاج میں شریک ہوا کہ ترکوں کی حمایت میں پشاور میں پہلا جلسہ ہوا جسکے منتظمین میں میاں عبدالعزیز، سید علی عباس بخاری۔ قاضی ولی محمد اور قاضی امیر احمد خان سرفہرست تھے۔ انہی نوجوانوں نے صوبے میں مسلم لیگ کو منظم کیا۔

۱۸۔ محمد شفیع صابر کی تحقیق یہ ہے کہ قاضی امیر احمد کو جنرل سیکرٹری بنایا گیا جو کہ غلط ہے۔ دیکھئے: عزیز جاوید بحوالہ سابقہ، ص ۲۹۔ اس مورخ نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ میاں سمیع الدین بار ایٹ لاء قانونی مشیر مقرر ہوئے۔

۱۹ ۔ مسلمانان ہند کے مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ حج پر جانے والوں کا بڑا استحصال کیا جاتا تھا ۔ تمام جہاز راں کمپنیاں غیر مسلموں کی ملکیت تھیں وہ طے شدہ معاہدوں سے منحرف ہو جاتے تھے ۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۱۸۷۸ء - ۱۹۲۶ء) اور مولانا شوکت علی (۱۸۷۳ء - ۱۹۳۸ء) نے انجمن خدام کعبہ کی بنیاد رکھی جسکا مقصد اپنے جہاز خرید کر رعائتی کرایہ پر عازمین حج کو حجاز پہنچانا تھا ۔ پشاور میں خدام کعبہ کے سرگرم اراکین میں حکیم محمد امین اور سید سلطان شاہ تھے۔ بحوالہ محمد شفیع صابر، ص ۵۵۔

۲۰ ۔ تحریک ریشمی رومال انگریزوں کی اسلام دشمن ریشہ دوانیوں کے خلاف ایک انقلابی قدم تھا جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک تھے ۔ مسلمانوں کے نمائندہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن تھے اور ہندوؤں کے سربراہ رانا مہندر پرتاب تھے ۔ تاہم اس تحریک کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد مولانا، عبیداللہ سندھی، ایم کے گاندھی، موتی لال نہرو، لالہ لاجپت رائے اور راجندر پرشاد کی حمایت بھی حاصل تھی ۔ اس تحریک کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ساری دنیا میں انگریز کے خلاف نفرت کی فضا پیدا کی جائے ۔

۲۱ ۔ جنگ عظیم کے دوران باغیانہ سرگرمیوں کی سرکوبی کے لئے ایک کمیٹی ہائی کورٹ کے جج سر سڈنی رولٹ کی زیر صدارت تشکیل دی گئی ۔ رولٹ نے تفصیلی چھان بین کے بعد ۳۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو ایک رپورٹ پیش کی حکومت نے ان سفارشات پر مبنی ایک بل امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کیا جو عرف عام میں رولٹ ایکٹ کہلایا ۔ اس ایکٹ کے تحت انتظامیہ اور پولیس کو لامحدود اختیارات حاصل ہو جاتے تھے ۔ ملزم کو نہ تو اپیل کا حق تھا اور نہ ہی وہ اپنے دفاع کی خاطر کسی وکیل کی خدمات حاصل کر سکتا تھا ۔ حکومت کسی بھی شخص کو وجہ بتائے بغیر گرفتار کر سکتی تھی ۔ بحوالہ، ریوپٹ فرنیکس، Massacre of Amritsar ، لندن، ۱۹۶۳ء، ص ۳۶۔

۲۲ ۔ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۶ ۔

۲۳ ۔ اس اجلاس میں دیگر سیاسی حقوق سے مراد حکومت خود اختیاری کا حصول تھا ۔ کیونکہ اجلاس میں طے کیا گیا تھا کہ ذمہ دار حکومت کے حصول کے لئے مسلمانوں کو ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ بحوالہ محمد شفیع صابر، ص ۳۶ ۔

۲۴ ۔ اس کمیٹی میں ۳ انگریز ۔ ۳ مسلمان اور ۲ ہندو تھے ۔ ہندوؤں کے برعکس مسلمان اور انگریز ممبران نے صوبہ کو ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح آئینی اصلاحات دینے کی سفارش کی جبکہ ہندوؤں نے اس پر اختلافی نوٹ لکھا ۔ بحوالہ ایس ایم اکرام، Modern Muslim India and the Birth of Pakistan، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۴۵۔

۲۵۔ کمیٹی کی سفارشات کے لئے دیکھئے: اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۱۰۔

۲۶۔ مولوی سید مرتضیٰ بہادر مرکزی قانون ساز اسمبلی میں سوراجیہ پارٹی سے وابستہ تھے جسکی قیادت موتی لال نہرو کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے اسمبلی میں قرارداد پیش کی تو پارٹی کی طرف سے ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اس سے باز رہیں لیکن انہوں نے پارٹی سے استعفیٰ دے دیا اور آزاد رکن کی حیثیت سے اپنی قرارداد پیش کی۔ کانگریس اور اسکی قیادت سارے ہندوستان میں آئینی مراعات کا مطالبہ کررہی تھی لیکن صوبہ سرحد میں اسکی مخالفت میں پیش پیش تھی محض اس وجہ سے کہ یہاں مسلمان بہت بڑی اکثریت میں تھے۔

۲۷۔ اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ۔

۲۸۔ محمد علی چراغ، اکابرین تحریک پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۲۲ مزید دیکھئے: اللہ بخش یوسفی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۱۶؛ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۸۹۳۔۹۰۱؛ ایس ایم اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۴۷؛ عزیز جاوید، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۸۔۵۲

۲۹۔ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۹۱۵

۳۰۔ پارٹی کے رہنماؤں نے یہ دعویٰ کیا کہ دو سال کی قلیل سی مدت میں اس نے دو لاکھ افراد کو ممبر بنایا۔ بحوالہ ڈی۔جی ٹینڈلکار، Abdul Ghaffar Khan، بمبئی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۱۶۔

۳۱۔ سید نور احمد، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، لاہور، س۔ن، ص ۱۶۷

۳۲۔ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۹۱۷ مزید دیکھئے: جینس ائرلینڈ، India, Pakistan or Pakhtunistan، م۔ن، س۔ن، ص ۱۔

۳۳۔ قرارداد کے متن کے لئے دیکھئے: وی پی مینن The Transfer of Power in India، بمبئی، ۱۹۵۷ء، ص ۴۲۔

۳۴۔ ان افراد کے نام درج ذیل تھے: ۱۔ آغا سید لال شاہ بخاری ۲۔ مولانا عبدالرحیم پوپل زئی (مفتی سرحد) ۳۔ خان علی گل خان ۴۔ رحیم بخش غزنوی ۵۔ عبدالرحمن ۶۔ غازی محمد عثمان ۷۔ مولانا خان منیر ہلالی ۸۔ اللہ بخش برقی ۹۔ غلام ربانی سیٹھی ۱۰۔ ڈاکٹر سی۔ سی گوش ۱۱۔ لالہ پیڑا رام ۱۲۔ لالہ اچھرچ رام۔ بحوالہ محمد شفیع صابر، ص ۸۵۴۔

۳۵۔ گرفتار شدگان کے نام درج ذیل تھے۔ خان علی گل خان، مولانا عبدالرحیم، رحیم بخش غزنوی، عبدالرحمن اچھرچ رام کپور، روشن لال، پیڑا خان، غلام ربانی سیٹھی اور اللہ بخش یوسفی۔ بحوالہ محمد شفیع صابر، ص ص ۸۵۶، ۸۵۸

۳۶۔ چودھری محمد علی، The Emergancc of Pakistan، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۶۔

۳۷۔ کونسل کے ممبران کے ناموں کے لئے دیکھئے: محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۹۰۴ مزید دیکھئے:
The Indian Annual Register, Vol. 1 ، کلکتہ، ۱۹۳۲ء۔

۳۸۔ ایضاً۔

۳۹۔ ایضاً، ص ۹۰۵

۴۰۔ عظیم حسین، Sir Fazl-i- Hussain : A Political Biography ، بمبئی، ۱۹۴۶ء، ص ۱۸۳۔

۴۱۔ این ٹالبٹ، Provincial Politics and The Pakistan Movement ، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۶۹۔ مزید دیکھئے: سید آصف علی رضوی
"The Role of Khawaja Nazim-ud-din in the United Bengal Politics, Vol. VI & VII ، یونیورسٹی آف کوئٹہ، ۱۹۹۳ء، ص ص ۶۳-۱۴۳۔

۴۲۔ محمد علی چراغ، بحوالہ سابقہ، ص ۳۲۴۔

۴۳۔ سید وقار علی شاہ، Muslim League in N.W.F.P. ، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۲۸۔

۴۴۔ عزیز جاوید، بحوالہ سابقہ، ص ۶۸۔

۴۵۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۲۹۔

۴۶۔ ایس ایم اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۴۸ مزید دیکھئے: محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ۹۰۶۔

۴۷۔ ایضاً، ص ۹۰۷ مزید دیکھئے: انڈین اینوئل رجسٹر، بحوالہ سابقہ، حصہ اول، ص ۱۶۶۔

۴۸۔ انڈین اینوئل رجسٹر، ۱۹۳۷ء، حصہ اول، ص ۱۱۱؛ انڈین اینوئل رجسٹر، ۱۹۳۷ء، حصہ دوئم، ص ۹۔

۴۸(الف)۔ رضا خان، What price freedom ، کراچی، ۱۹۷۷ء، ص ص ۳۷-۳۸۔

۴۹۔ جینسین، بحوالہ سابقہ، ص ۸۵ مزید دیکھئے: سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۳۱۔

۵۰۔ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۹۴۴-۹۴۶۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔

۵۲۔ این ٹالبوٹ، بحوالہ سابقہ، ص ص ۱۱، ۵۴۔

۵۳۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۳۱۔

۵۴۔ عزیز جاوید، بحوالہ سابقہ، ص ص ۸۲-۸۳، ۸۷۔ مزید دیکھئے: سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۴۰۔

۵۵۔ وائی۔ بی۔ میتھر، Quit India Movement ، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۵۔

۵۶۔ مطالبات کی تفصیل کے لئے دیکھئے: وی پی مینن، بحوالہ سابقہ، ص ۶۶ مزید دیکھئے: سید حسن ریاض،

پاکستان ناگزیر تھا، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۱۳۔
۵۷۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۵۹۔ مزید دیکھئے: انڈین اینوئل رجسٹر، ۱۹۳۷ء، حصہ دوئم، ص ۴۱۔
۵۸۔ دیکھئے: راجر بیلے کا خط وائسرائے کے نام مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۴۲ء این۔ڈی۔سی۔ لاہور۔
۵۹۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۷ مزید دیکھئے: گورنر کا خط وائسرائے کے نام مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۴۳ء، این۔ڈی۔سی، لاہور؛ عزیز جاوید، بحوالہ سابقہ، ص ۹۱۔
۶۰۔ ایضاً، ص ۸۹۔
۶۱۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۶؛ انڈین اینوئل رجسٹر، ۱۹۴۳ء، حصہ اول، بحوالہ سابقہ، ص ۲۶۴؛ ایس ایم اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۵۱۔
۶۲۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۶؛ انڈین اینوئل رجسٹر، ۱۹۴۳ء حصہ اول، بحوالہ سابقہ، ص ۲۶۴۔
۶۳۔ گورنر رپورٹ، ۲۳ جنوری ۱۹۴۳ء۔
۶۴۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ص ۸۸۔۸۹۔
۶۵۔ ایضاً، ص ص ۹۹۔۱۰۰۔
۶۶۔ سید وقار علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۰۲؛ این ٹالبوٹ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۸۔
۶۷۔ ظہور عالم شہید، "سرحد میں مسلم لیگ کی سول نافرمانی"، الزبیر، بہاولپور، ۱۹۷۰ء، ص ۴۳۵؛ بیگم سلمیٰ تصدق حسین، آزادی کا سفر، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ص ۸۶۔۹۴۔
۶۸۔ محمد شفیع صابر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۱۰۱۳۔۱۰۲۴۔
۶۹۔ ایضاً، ص ۱۰۲۸ مزید دیکھئے: ایس ایم اکرام، بحوالہ سابقہ، ص ۳۹۳۔
۷۰۔ عائشہ جلال، The Sole Spokesman، نیویارک، ۱۹۸۵ء، ص ص ۱۳۸۔۱۶۲۔ مزید دیکھئے: وی پی مینن، بحوالہ سابقہ، ص ص ۲۲۹۔۲۳۱۔

سہ ماہی مجلہ

فکرونظر

فکرونظر ادارہ تحقیقات اسلامی کا اُردو مجلّہ ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو مستقل تحقیقی تصانیف پیش کرنے کے علاوہ گذشتہ تیس برس سے اپنے عربی، انگریزی اور اردو مجلّات کے ذریعے اسلامی علوم، تہذیب، ثقافت اور زبان و ادب سے متعلق گرانقدر علمی مضامین کی اشاعت کا شرف بھی حاصل ہے۔ مجلّہ "فکرونظر" کے خصوصی شمارے اپنے اپنے موضوعات پر مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سیرت نمبر، یوم تاسیس نمبر، نفاذ شریعت نمبر، حج نمبر، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نمبر خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

بدل اشتراک

قیمت فی شمارہ: ۱۰ روپے

سالانہ چندہ: ۳۵ روپے

ادارہ تحقیقات اسلامی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵
اسلام آباد ۴۴۰۰۰
پاکستان